عرب دنیا پر مغربی تہذیب کے اثرات
(مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے افکار کی روشنی میں)

*محمد سرفراز خالد

Abstract

Western civilization had a serious influence on the Muslim countries usually and on the Arab World especially. It has changed the life style of the Muslims. They are so impressed that they considered the European system a key to success in all spheres of life. Maulana Abu al Hassan Ali Nadvi had great concern regarding western influence on Arab countries. He warned them not to adopt western civilization. He advised them to adhere Islamic civilization. In this article Maulana Nadvi's efforts through his speeches and writings in concern with harmful influences of western civilization are highlighted.

Keywords: Abu al-Hasan al-Nadvi, Islamic Civilization, Western Civilization, Arab and Ajam, Arab World

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کا شمار عرب وعجم کے نامور علمائے دین میں ہوتا ہے جنہوں نے دین اسلام کی سربلندی اور اشاعت وترویج میں اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں بھرپور جدوجہد کی۔ آپ کی پیدائش لکھنؤ کے ایک علمی اور مذہبی گھرانے میں ہوئی۔ آپ کے والد گرامی حکیم مولانا سید عبدالحی لکھنویؒ اپنے مطب میں لوگوں کے علاج معالجہ کے ساتھ ساتھ ندوۃ العلماء لکھنؤ میں بھی تصنیف وتالیف کے کاموں میں مصروف رہتے۔ ان کی مرتبہ کتاب "الثقافة الاسلاميه فى الهند" دمشق سے شائع ہوئی جس نے شہرت چہاردانگ عالم حاصل کی۔ اسی طرح ان کی کتاب "نزهة الخواطر" بھی عرب وعجم میں خاصی مقبول ہے۔

اس مذہبی ماحول میں تعلیم وتربیت نے مولانا کی شخصیت میں ایک نکھار پیدا کر دیا اور انہوں نے درس و تدریس کے علاوہ تصنیف وتالیف میں بھی کمال حاصل کر لیا۔ مولانا کی انہی خوبیوں کی بناء پر عرب وعجم میں انہوں

*اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ عربی وعلوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، لاہور

نے خوب شہرت حاصل کی۔عربی زبان میں دسترس کی وجہ سے عرب ممالک میں منعقدہ مختلف تقاریب میں انہیں مدعو کیا جاتا۔علامہ اقبال کے پیغام وفکر کو عرب ممالک میں متعارف کروانے میں مولانا ابوالحسن علی ندوی کا کلیدی کردار ہے۔ان کی کتاب ''روائع اقبالؒ'' عرب ممالک میں خاصی مقبول ہوئی جس کا اردو ترجمہ ''نقوش اقبال'' کے نام سے بھی علمی وادبی حلقوں میں منفرد مقام رکھتا ہے۔

ان کی مرتبہ کثیر کتب میں اسلام کی حقانیت اور عظمت کو اُجاگر کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔عرب ممالک کے دوروں کے دوران انہیں عرب باشندوں کے ساتھ میل جول اور وقت گزارنے کے بے شمار مواقع میسر آتے رہے۔ جہاں انہوں نے ان کی تہذیبی، معاشرتی اور معاشی زندگی کا بغور مطالعہ کیا۔انہیں اس بات سے سخت پریشانی ہوئی کہ عرب باشندے، رسولِ عربی ﷺ کی تعلیمات کی روگردانی کررہے ہیں اور تمام معاملات زندگی میں امریکہ اور یورپ کی تقلید میں اسلام اور قرآن کو پس پشت ڈال رکھا ہے۔

اپنی نجی ومجلسی گفتگو اور تحریروں میں مولانا عربوں کو ان کی اس بے راہ روی پر آگاہ اور متنبہ کرتے رہتے۔ ان کی تحریر وتقریر نے عرب معاشرے کی راہنمائی میں مؤثر کردار ادا کیا۔اس مقالہ میں مولانا ابوالحسن علی ندوی کی کتب سے ان کی تحریرات وتقاریر میں سے ان افکار ونظریات کو واضح کیا گیا ہے، جن سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا ندوی عالمِ اسلام اور خصوصاً عرب ممالک میں امریکی اور مغربی اثر ونفوذ سے کس قدر رنجیدہ تھے اور ان سے نجات حاصل کرنے کی بھرپور تلقین کرتے رہے۔

مولانا کے لیے یہ بات انتہائی تکلیف دہ تھی کہ عرب دنیا خصوصاً حجاز مقدس میں مغربی تہذیب اس قدر سرایت کرچکی ہے کہ ہر شعبۂ زندگی میں اس کے اثرات دیکھے جاسکتے ہیں:

''حجاز کے قیام کے دوران اس کا بہ شدت احساس ہوا کہ مغربی تہذیب عرب ممالک کو پورے طور پر متاثر بلکہ مفلوج کرچکی ہے اور جزیرہ العرب اور حجاز مقدس کے (جس سے دنیا کو ایمان واسلام کی روشنی ملی اور ایک ایسی امت کا ظہور ہوا جو زمانہ کی امامت کے لیے پیدا کی گئی تھی) تعلیم یافتہ نوجوان بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔اقبال نے گویا ان ممالک کو دیکھ کر کہا تھا:

فرنگی شیشہ گر کے فن سے پتھر ہوگئے پانی''(۱)

مولانا نے حجاز میں قیام کے دوران عربوں کی معاشرتی زندگی کا بہت قریب سے مطالعہ کیا اور ان کی حالت زار پر مولانا کا دل خون کے آنسو روتا تھا۔اپنی کیفیات کا ذکر اپنے بھائی کے نام ایک خط میں یوں کرتے ہیں:

''بازار سے لے کر لوگوں کے دماغوں تک مغربی تمدن، تجارت، معاشیات اور افکار و خیالات کے پنجے اور زیادہ گڑ چکے ہیں۔ جدہ اُترتے ہی اس کا احساس ہوتا ہے اور جس قدر حالات سے واقفیت ہوتی ہے اتنا ہی اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے۔ کوئی نہیں جانتا، خوب صورت عربی لباس میں کتنے دل و دماغ خالص مغربی بن چکے ہیں۔ اور قرآنی زبان کتنے مغربی خیالات اور خالص مادی تخلیات کا ذریعۂ اظہار بنتی ہے۔ معاش کا انہماک دولت آفرینی کی عادت بحرانی حد تک پہنچ چکی ہے۔ زندگی کا تصور اس کے بغیر ان کے نزدیک ممکن نہیں کہ اس کے سایہ میں پناہ لی جائے اور ترقی کی جائے۔ عالم اسلام کا قبلہ مکہ معظّمہ اور بیت اللہ ہے اور مرکز اسلام کا قبلہ سر دست امریکہ ہے۔'' (۲)

بعض مصلحت پسندوں کے نزدیک یہ رائے قائم کی جاتی ہے کہ عرب دنیا پر مغربی تہذیب کا یہ اثر عارضی اور مجبوری کی بناء پر ہے۔ زمانے کے ساتھ چلنے کے لیے مغربی طرز معاشرت وقت کی ضرورت ہے۔ مولانا اس عارضی مصلحت پسندی کو بھی قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھتے بلکہ اس کے مضر اثرات کی طرف توجہ مبذول کراتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

''صرف مستقل طور پر مغربی تمدن اختیار کر لینے ہی سے یہ دشواریاں پیدا نہیں ہوتیں۔ عارضی طور پر بھی اس زندگی اور ماحول میں تھوڑا سا وقت گزارنے کی حالت میں بھی یہ سب دشواریاں پیش آتی ہیں۔ اس کا اندازہ ان اعلیٰ ہوٹلوں یا قیام گاہوں میں قیام کرنے ہی سے ہو جاتا ہے جن کی تشکیل بالکل مغربی طرز پر ہوئی ہے۔ ان میں (خواہ وہ مغربی ایشیاء میں ہوں یا ممالک عربیہ، حتیٰ کہ بلاد مقدسہ میں) طہارت کا اہتمام اور فرائض کی پابندی مشکل ہو جاتی ہے اور بعض اوقات شریعت کی حدود سے تجاوز کرنا پڑتا ہے۔'' (۳)

رب باشندوں کی مغرب سے مرعوبیت کی بنیادی وجہ ان کی اندھی تقلید ہے اور اسلام کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی بجائے معاشرے میں مغربی نظام تعلیم کا نفاذ ہے جو مسلمانوں کو تباہی کی طرف لے جا رہا ہے:

''ممالک اسلامیہ بالخصوص ممالک عربیہ کی موجودہ صورت حال کا تزلزل، ذہنی انتشار، اخلاقی انارکی، اور اسلام کی قائدانہ صلاحیت کے بارے میں بے اعتمادی اور اس کے مستقبل سے مایوسی اس نظام تعلیم کا نتیجہ یا عطیہ ہے جو مغرب سے بغیر کسی بنیادی تبدیلی اور مجتہدانہ فکر و نظر کے درآمد کیا گیا ہے۔ میرا شروع سے خیال رہا ہے کہ نظام تعلیم وہ لباس ہے جس کو اس ملت اور نسل کے قد و قامت، سائز، اس کے ماضی اور حال اور اس آب و ہوا کے مطابق تیار ہونا چاہیے جس میں یہ ملت اور نسل پیدا کی گئی ہے۔ اور اسی میں اس کو جینا مرنا ہے۔'' (۴)

عالمی سازش کے تحت بڑے منظّم انداز میں مسلمانوں کی زندگیوں سے اسلام کو خارج کرنے کی بھرپور جدوجہد جاری ہے اور عرب حکمران خواب خرگوش کے مزے لے رہے ہیں۔ مکہ مکرمہ میں موتمر عالم اسلامی کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے مولانا ابوالحسن ندویؒ اس گھناؤنی سازش کی طرف متوجہ کرواتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس موتمر کا انعقاد بہت بروقت اور برمحل ہوا۔ نئی پلاننگ اور نئے حربوں سے اسلام کو نیست و نابود کرنے کے لیے نئے ہتھکنڈے ایجاد کیے جارہے ہیں۔ اسلام اور قوانین اسلام کو زندگی سے خارج کرنے کی عمومی سازشیں ہورہی ہیں اور اس کے اثرات کو محو کرنے کی کوششیں ہورہی ہیں۔ اس دین کو بے اثر کرنے اور اس سے زندگی کے آثار ناپید کرنے کے لیے نئے ہتھکنڈے ایجاد کیے جارہے ہیں۔ اسلام اور قوانین اسلام کو زندگی سے خارج کرنے کی سازشیں بہت باریک بینی اور گہرائی سے عمل میں لائی گئی ہیں اور لائی جارہی ہیں۔ اس کو مکمل اور ہمہ جہتی پلاننگ کو بروئے کار لانے میں دو طاقتیں پیش پیش ہیں۔ ایک مغربی طاقت اور دوسری غیر مغربی۔ اور جو سازش ہے اس کے تانے بانے بڑی چابک دستی، چالاکی اور تیاری سے بُنے گئے ہیں۔ عقلی و ذہنی لحاظ سے دیکھئے یا عملی لحاظ سے، مقصد یہ ہے کہ مسلمان اپنی اسلامی و ایمانی، عملی و عقائدی، اخلاقی و تہذیبی ورثہ سے یکسر بے تعلق ہوجائیں اور جس طرح دوسرے مذاہب ہیں، اسلام بھی ایک نام کا مذہب رہ جائے۔ جس کے آثار عجائب خانوں اور کتب خانوں تک محدود رہ جائیں۔ عملی زندگی سے اس کا کوئی سروکار نہ ہو۔ اسلام کا تشخص ختم ہوجائے۔ اس سازش کی سربراہی مغرب کا سب سے بڑا ملک (امریکہ) اور دنیا کی تسلیم شدہ سب سے بڑی طاقت کررہی ہے۔''(۵)

عالمی طاقتیں خصوصاً امریکہ مسلمانوں کے ذہنوں سے اسلام کو مٹانے کی ناپاک سازش میں مصروف ہے اور ساتھ ہی دوسری طرف اسلام کے خیرخواہوں پر بنیاد پرستی کا الزام عائد کرکے انہیں نیست و نابود کرنے کی بھرپور کوشش میں مصروف ہے۔ مولانا ندوی امریکی اور مغربی ممالک کی دورُخی سے خبردار کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

''الحاد و لادینیت کا رجحان جو جدید تعلیم اور مغربی اقتدار کے اثر سے بہت سے مسلم ممالک اور جدید تعلیم یافتہ طبقوں میں پیدا ہوا ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی چیز (اپنی وقتی اور مقامی سحرانگیزی اور دل کشی کے باوجود) اسلام کے وجود کے لیے خطرہ اور اس کو زندگی سے خارج کرنے اور ہر طرح کے اثر اور کامیابی سے محروم کرنے کے لیے ایک گہری سازش اور پھر پورے عالم اسلام کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت نہیں رکھتی، جتنی امریکہ سے اٹھنے والی بنیاد پرستی اور بنیاد پرستوں (Fundamentalists) کے خلاف نعرہ، جدوجہد اور ایک منصوبہ بند عالمگیر تحریک و دعوت ہے، جس میں یہودی دماغ، امریکہ اور یورپ کا دینی و علمی و فکری، دعوتی سطح پر احساس کمتری (Inferiority

(Complex) اس کے دائرہ کی وسعت اور خود مغرب میں اس کی اشاعت ومقبولیت کا خطرہ اور آخر میں روس کے انقلاب کے بعد اسلام اور ایک طاقت ور اسلامی دنیا کا (جس میں اسلام کے احیاء اور اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کا جذبہ پایا جاتا ہے، اور اس میں دنیا کے سامنے ایک سحر انگیز نمونہ پیش کرنے کی صلاحیت ہے) مادہ پرست مغرب کے خلاف ایک طاقت ور محاذ بن جانے کا خطرہ شامل ہے، اس کا اصل محرک ہے۔''(۶)

امریکہ اور دیگر مغربی ممالک اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لیے ہر جائز و ناجائز حربہ استعمال کرنا اپنا استحقاق سمجھتے ہیں۔ عرب حکمرانوں کے لیے تحریص و دباؤ کے ساتھ ساتھ عوام میں خوف و ہراس پیدا کیا جا رہا ہے۔ اسلام پسندوں کے لیے ''بنیاد پرست'' کی اصطلاح ایجاد کر کے انہیں دنیا کے سامنے ایک خطرہ ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی ان ممالک کی اس تحریک کے بارے میں رقمطراز ہیں:

''یہ تحریک جو نشر و اشاعت کے ذرائع، ترغیب و ترہیب، سیاسی و فوجی رشوتوں، وفود کی آمد و رفت، بین الاقوامی مجلسوں اور سب سے بڑھ کر خود اسلامی ملکوں کو اس طبقہ سے خوفزدہ کرنے کے ذریعے جو اُن اسلامی ملکوں میں اسلام کو زندگی میں داخل کرنے اور اس کے احکام پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دیتا ہے، پہنچائی اور پھیلائی جا رہی ہے۔ اور خود مسلم و عرب ممالک میں صاحبِ اقتدار طبقہ، اور نظام تعلیم اور صحافت و اشاعت کے ذرائع پر قابو رکھنے والے طبقہ میں یہ ہراس پیدا کیا جا رہا ہے کہ اگر یہ اسلام پسند طبقہ (جس کے لیے بنیاد پرست کی اصطلاح ایجاد کی گئی ہے) کامیاب اور حاوی ہو گیا، تو یہ حکومتوں اور رہنما اداروں کے لیے پیغامِ موت ہوگا۔ ان کو ہر طرح کے اقتدار اور نفوذ و اثر سے محروم ہونا پڑے گا۔ بلکہ ان کو ان ملکوں میں زندگی گذارنی بھی مشکل ہو جائے گی، جہاں وہ سیاہ و سپید کے مالک اور مطلق العنان حاکم ہیں۔''(۷)

حکمران طبقہ جن کے بچوں کی تعلیم و تربیت انگریزی ماحول میں ہوئی ہو، وہ ان سازشوں اور لالچوں سے متاثر ہو کر ان مغربی آقاؤں کے ہمنواء بن جاتے ہیں کیوں کہ دین سے دوری کی بناء پر وہ اسلام کی اہمیت و افادیت سے ناآشنا ہوتے ہیں۔ دمشق میں اپنے خطاب میں مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے اس حقیقت سے یوں پردہ اٹھایا ہے:

''جس طبقہ کے ہاتھ میں ملکوں کی زمام کار ہے، اسلام پورے طور پر ان کے حلق سے نہیں اُترا۔ ان کا اسلام پر ایک دین اور ضابطۂ حیات کی حیثیت سے ایسا ایمان نہیں جیسا مغربی اصولوں اور اس کی افادیت پر ہے۔ اسی کے ساتھ اکثر عرب ممالک کی مسلم آبادی، سیاسی شعور اور بیداری میں ابھی نابالغی کے مرحلہ میں ہے۔ ان کو دوست دشمن کے فرق کی تمیز نہیں، قوم کا اجتماعی ضمیر بیدار نہیں اور جب تک وہ بیدار نہ ہو کسی خیر کی امید نہیں۔''(۸)

مسلمان ممالک کے حکمران اپنے مغربی آقاؤں کی خوشنودی کے لیے یا اپنی جاہ وحشمت کی بقاء کی خاطر کس حد تک جاسکتے ہیں، اس کا اندازہ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی اس تحریر سے لگایا جاسکتا ہے۔ مگر عوام الناس بے خبری میں اپنے حکمرانوں کے گُن گاتی ہے:

''مسلمان ممالک کے قائدین اور اہل اقتدار سے کچھ بعید نہیں کہ وہ اپنے حقیر فائدہ یا لذت وخواہش کے ماتحت اپنے مُلک کو رہن رکھ دیں یا اس کا بیع نامہ کردیں، یا اپنی قوم کو بھیڑ بکری کی طرح فروخت کردیں یا اپنی قوم کو کسی ایسی جنگ میں جھونک دیں جو اس کی مرضی ومصلحت کے خلاف ہو۔ اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ قوم اس کے باوجود بھی ان کی قیادت کا جھنڈا لے کر چلتی رہے۔ وہ ان کی زندگی کے نعرے لگائے اور ان کی تعریف میں رطب اللسان رہے۔ یہ اس کے سوا اور کس بات کی دلیل ہے کہ قوم کا ضمیر مردہ، اس کے قوائے فکریہ معطل اور وہ شعور کی دولت سے محروم ہے۔''(۹)

عرب دنیا کی مغرب سے مرعوبیت کا یہ عالم ہے کہ حکمرانوں اور امراء کی تقلید میں عامۃ الناس بھی اس طوفان میں بہہ رہی ہے اور اسی تہذیب کو معاشرے میں کامیابی وکامرانی کا زینہ تصور کرنے لگی ہے اور اسی فانی زندگی کو ہی اپنا مقصدِ حیات بنالیا ہے۔ مولانا ندوی اقوام عالم میں مسلمانوں کی ذلت ورسوائی کا باعث دین سے دوری اور اسی دنیاوی لالچ کو قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''افراد میں جاہلی مغربی اخلاق اس طرح سرایت کرتے جارہے ہیں جس طرح درختوں کے رگ وریشہ میں پانی اور تاروں میں بجلی دوڑ جاتی ہے۔ اسلامی ممالک میں مغربی مادّیت اپنی پوری شان کے ساتھ دیکھنے میں آتی ہے۔ خواہشات نفس کی اندھا دھند پیروی زندگی کی نہ بجھنے والی پیاس اور نہ مٹنے والی بھوک اس قوم میں بھی پیدا ہوتی جارہی ہے، جس کے نزدیک آخرت کی زندگی اصل زندگی ہے۔ مغربی علوم اور تہذیب کے اثر سے آخرت کا خیال روز بروز کمتر ہوتا جارہا ہے۔ اور حیات دنیا کی اہمیت اور کشش بڑھتی جارہی ہے۔ اعزاز وفخر وجاہ کے حصول میں سربلندی اور سرفرازی کی کوشش، میں بلند حوصلہ اور ترقی پسند مسلمان یورپ کے ترقی یافتہ لوگوں کے نقش قدم پر ہے۔ اصول واخلاق پر فوائد اور مصلحتوں کو ترجیح دینے کا مرض پھیل گیا ہے۔''(۱۰)

ہر قوم کا اپنا ایک تشخص ہوتا ہے اور اس کی تہذیب وتمدن سے اس تشخص کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ مگر مغرب کی اندھا دھند تقلید میں مسلمان اپنا تشخص بھی کھو رہے ہیں جس کی نشاندہی مولانا ندوی کے الفاظ سے یوں ہوتی ہے:

''کسی قوم کو اس مخصوص تہذیب وتمدن سے الگ کردینا، جو اس کے دین وشریعت کے سایہ میں پروان

چڑھا ہے اور مخصوص دینی ماحول میں اس کا نشو ونما ہوا ہے، اُسے کارزار حیات سے الگ اور عقیدہ وعبادت اور دینی رسوم تک محدود کر دینے، اور اس کے حال کو اس کے ماضی سے کاٹ دینے کے مترادف ہے۔ اس طرح وہ تدریجی طور پر اپنے بنیادی عقائد اور مسلکِ حیات سے بھی الگ ہو جاتی ہے۔ ذہنی اور تہذیبی ارتداد کے راستہ پر پڑ جاتی ہے۔ اس میں وہی معاشرتی انارکی، خاندانی شیرازہ کی پراگندگی اور اخلاقی جذام رونما ہوتا ہے۔ مے نوشی اور مسکرات کا آزادانہ استعمال شروع ہو جاتا ہے جو مغرب میں اپنے شباب پر ہے۔ جس کا مشاہدہ آنکھ بند کر کے مغرب کی تقلید کرنے والے متعدد اسلامی ملکوں میں بھی ہو رہا ہے۔'' (۱۱)

عرب دنیا میں جدید نسل پر مغربی اثرات دین سے دوری کا باعث بن رہی ہے۔ مولانا ابوالحسن ندویؒ، علامہ اقبالؒ کے افکار کے حوالہ سے سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں کو ملک وملت کے لیے نقصان دہ قرار دیتے ہیں:

''علامہ اقبال مغربی سوسائٹی کو ایک ایسی سوسائٹی قرار دیتے ہیں، جس کے پیچھے صرف وحشیانہ رسہ کشی کارفرما ہے۔ وہ اس کو ایک ایسی تہذیب کہتے ہیں جو دینی اقدار اور سیاسی اقدار کی کش مکش کی وجہ سے اپنی روحانی وحدت کھو بیٹھی ہے۔ وہ ایک واقف کار اور مبصر کی حیثیت سے سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں کو شجر مادّیت کی دو شاخیں اور ایک ہی خاندان کے دو گھرانے قرار دیتے ہیں، جس میں ایک مشرقی ہے اور ایک مغربی۔ لیکن مادّی طرزِ فکر، زندگی اور انسان کے متعلق محدود نقطۂ نظر میں دونوں ایک جان اور دو قالب ہیں۔'' (۱۲)

مغرب کی اس مادی اور غیر روحانی طرز معاشرت کی بنیادی وجہ خدا فراموشی ہے جس کی بناء پر ہر کوئی اپنے مفادات کی جنگ لڑ رہا ہے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی مغرب کی اس کھوکھلی زندگی کی وجوہات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مغربی انسان نے ایک خدا کا دامن چھوڑ کر سینکڑوں خداؤں کا دامن پکڑ لیا ہے۔ ایک حقیقی آستانہ سے سر اٹھا کر، جہاں وہ تمام آستانوں سے بے نیاز ہو سکتا تھا، ہر سنگ آستان پر وہ اپنی پیشانی رگڑ رہا ہے۔ ایک خدا کو چھوڑ دینے کی سزا خدا کی طرف سے ہمیشہ یہی ملی ہے۔ یہ ارباب من دون اللہ بڑی تعداد میں مغرب پر مسلط ہیں اور ساری مغربی دنیا ان کے پنجۂ غضب میں گرفتار ہے۔ یہ کہیں سیاسی سردار ہیں، کہیں اقتصادی دیوتا۔'' (۱۳)

اگرچہ یہ مغربی تہذیب کی یلغار اسلامی تہذیب وتمدن کے لیے خطرہ کی گھنٹی ہے لیکن اس کے سدّ باب کی کوشش وقت کی اہم ضرورت ہے۔ مگر مغربی تہذیب کے طوفان کو روکنے کے لیے جس جذبہ ایمانی کی ضرورت ہے وہ عصر حاضر کے مسلمانوں میں ناپید نظر آتا ہے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی اس انحطاط کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

''ہر ذی عقل شخص جو اس مغربی تہذیب کی تاثیر و تسخیر اور قوت و وسعت سے واقف ہے، اسی کے ساتھ یہ بھی جانتا ہے کہ مشرقی ممالک روحانی اور مادی حیثیت سے کمزور ہو چکے ہیں اور اس قوت ایمانی اور خود اعتمادی میں کتنا انحطاط رونما ہو چکا ہے، جس سے اس تہذیب کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا جا سکتا تھا۔ وہ اس اندیشہ میں حق بجانب ہوگا کہ ان ممالک کا یہ تہذیبی، معاشرتی اور تمدنی حصار زیادہ دنوں تک قائم اور اس کا یہ دورِ عزلت طویل عرصہ تک برقرار نہیں رہ سکتا۔ اس لیے کہ بے اعتمادی، احساس کمتری اور روحانی کمزوری کے ساتھ کوئی قوم زیادہ دنوں تک اپنی انفرادیت باقی نہیں رکھ سکتی۔ اور ایسی طاقت ور تہذیب کا مقابلہ نہیں کر سکتی جس کے ساتھ زمانہ کا رجحان شامل ہو چکا ہے۔''(۱۴)

مغرب کی یہ تہذیبی یلغار اور اہل عرب کی یہ مرعوبیت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھی اور جس طرح رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو باہمی محبت میں ایک جسم کی مانند قرار دیا ہے:

''**مثل المومنین فی توادھم و تراحمھم و تعاطفھم کمثل الجسد: اذ اشتکی منه عضو تداعی له سائر الجسد بالسھر و الحمی**''(۱۵)

''مومنین کی مثال آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنے میں، ایک دوسرے سے رحم کرنے میں اور باہم مہربان ہونے میں، ایک جسم کی مانند ہے۔ اگر جسم کے کسی عضو میں تکلیف ہو تو سارا جسم بے خوابی اور بخار محسوس کرتا ہے۔''

مولانا ابوالحسن علی ندوی اسی احساس محبت کے تحت عربوں کی اس بے راہ روی پر رنجیدہ رہتے تھے۔ عرب ممالک کے دوروں میں عرب باشندوں کو اس پر متنبہ بھی کرتے رہتے تھے۔ اس سلسلہ میں مولانا، علامہ اقبال کی زندگی اور افکار کو بطور مثال اکثر پیش کرتے کہ جس طرح دانائے راز نے مغربی تہذیب میں زندگی گذارنے کے باوجود نہ صرف اپنے دین و ایمان کو محفوظ رکھا، بلکہ اہل ایمان کو اس کی شر انگیزیوں سے محفوظ رہنے کی تلقین کی اُسی طرح عصر حاضر کے مسلمان بھی علامہ اقبال کی تقلید میں اپنے دین و ایمان کو محفوظ رکھ سکتے ہیں:

''وہ مغربی علوم سے اپنی بغاوت، اس کے جال سے بچ نکلنے اور اپنے عقیدہ و ایمان اور خصوصیات کی حفاظت کا ذکر کرتے ہوئے بڑا قلندرانہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انہوں نے مغربی فلسفہ و تہذیب کے آتش نمرود میں شانِ ابراہیمی کا مظاہرہ کیا۔ وہ فخر و مسرت کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ انہوں نے ان علوم کے مغز کو حاصل کر لیا، پوست کو پھینک دیا اور یہی کافی نہیں بلکہ اس کے جال سے باہر بھی آ گئے اور اس کے طلسم ہوشربا کو پاش پاش کر دیا جس نے

مشرق ومغرب دونوں کی نظر بندی کر رکھی ہے۔

طلسم علم حاضر را شکستم
ربودم دانۂ و دانش گستم
خدا داند کہ مانند براہیم
بہ نار او چہ بے پروہ نشستم'' (۱۶)

ایک دوسرے مقام پر علامہ اقبالؒ نے اپنے ایسے ہی جذبات کا اظہار کرتے ہوئے بتایا تھا کہ مغرب کی چکاچوند کرنے والی روشنی کا میری بصارت پر اس لیے اثر نہ ہوسکا کہ میری آنکھوں میں مدینہ طیبہ اور نجفِ اشرف کا سرمہ لگا ہوا ہے اور میں سراپا مومن ہوں:

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ
سُرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف (۱۷)

ملت اسلامیہ کے نوجوانوں کو جو مغربی تہذیب سے بہت زیادہ متاثر نظر آتے، علامہ اقبال متنبہ کرتے کہ مسلمانوں کی اپنی ایک تہذیب اور پہچان ہے۔ لہٰذا انہیں نہ صرف اپنے علیحدہ تشخص کو برقرار رکھنا چاہیے بلکہ اُسی پر فخر کرنا چاہیے:

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی
ان کی جمعیت کا ملک و نسب پر انحصار
قوّتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تیری (۱۸)

اسلام دین فطرت ہے اور تمام سابقہ ادیان کا مرقع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسولؐ کو دنیا میں مبعوث فرمایا تو اُن کی عظمت کا اعلان یوں فرمایا:

هُوَ الَّذِیْ أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهُ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ(۱۹)

''وہی اللہ ہے، جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا، تاکہ اُسے تمام ادیان پر غالب کردے۔ خواہ (یہ بات) مشرکوں کو گراں ہی گذرے۔''

علامہ ابوالحسن علی ندوی دین اسلام کی عظمت ووسعت کا اعتراف یوں کرتے ہیں:

''اسلام کی خود اپنی ایک دنیا ہے جس میں مشرق ومغرب، عرب وعجم، قریب وبعید اور قدیم وجدید کی کوئی تقسیم نہیں۔ مشرق ومغرب کی سرحدیں اور عرب وعجم کے امتیازات کبھی صفات الٰہی کی طرح ازلی وابدی نہ تھے، جو کوئی تغیر قبول نہ کرسکیں۔ خدا کا بے لاگ قانونِ فطرت، ایک کو دوسرے پر اثر انداز اور غالب کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا۔ خدا کے آسمانی پیغام اور دینِ انسانیت کا انحصار کسی ملک اور تہذیب پر نہیں ہے۔''(۲۰)

اسلام ایک ضابطہ حیات ہونے کی وجہ سے بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کا ضامن ہے۔ یہ انسان کی ذاتی اور اجتماعی زندگی پر محیط ہے۔ جبکہ قدیم ادیان (یہودیت وعیسائیت) کے پیروکاروں نے مذہب اور ذاتی زندگی کو علیحدہ تصور کیا اور مشکلات کا شکار ہوئے۔ طلوع اسلام سے لے کر آج تک اور آئندہ آنے والے تمام زمانوں میں پیش آمدہ تمام مسائل کا حل اسلامی تعلیمات میں موجود ہے۔ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ مبلغین اسلام اور دیگر مذاہب کے مبلغین کے مساعی کا موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہر عہد میں دین کی تفہیم وتشریح کا عظیم اور نازک کام جس طرح انجام دیا گیا، اس سے مسلمانوں کی اس نسل اور اسلامی عقائد وحقائق اور اقدار ومفاہیم کے درمیان وہ وسیع وعمیق خلیج واقع نہیں ہونے پائی جو یہودیت اور عیسائیت کی تاریخ میں عہد عتیق وعہد جدید کی تعلیمات وحقائق اور یہودی ومسیحی دنیا کے تعلیم یافتہ اور ذہین طبقہ کے درمیان بار بار واقع ہوتی رہی۔ اور اس نے اولاً بائبل کی تعلیمات کی طرف سے اس نسل کو بے اطمینانی پر آمادہ، پھر بغاوت پر کمربستہ کردیا۔ اور ان دونوں قدیم مذاہب کے حلقہ میں الحاد ولادینیت نے وسیع پیمانہ پر سر اٹھایا، جس کا نتیجہ آج پوری دنیا بھگت رہی ہے۔ اسلامی تاریخ میں عصر حاضر کے مطابق دین کی تفہیم وتشریح کا کام کرنے والوں نے اس کی نوبت نہیں آنے دی اور اس امت کا ذہنی وفکری رشتہ اسلامی عقائد وحقائق اور اقدار وتصورات سے ٹوٹنے نہیں پایا۔ بلکہ ہر زمانہ میں مستحکم واستوار ہوتا رہا.....عصر حاضر کے مطابق دین کی تفہیم وتشریح کا یہ ضروری، مفید اور مبارک کام جاری رہا۔ اور خدا ہر زمانہ کی ضرورت کے مطابق ایسے متکلمِ اسلام اور ایسے شارح دین اور ترجمانِ شریعت پیدا کرتا رہا جنہوں نے پوری کامیابی اور خوش اسلوبی سے یہ فرض انجام دیا۔ لیکن اسی کے ساتھ ان لوگوں سے بھی کوئی زمانہ خالی نہیں رہا، جن کو رسوخ فی العلم کی دولت حاصل تھی۔ اور جو ایک طرف اس دین وشریعت کے کامل مزاج داں، دوسری طرف نئی نسل کے صحیح نبّاض بھی تھے۔ انہوں نے اسلام کی عصری تفہیم وتشریح پر ناقدانہ نظر رکھی اور دیکھتے رہے کہ وہ اس صراطِ مستقیم سے انحراف تو نہیں کررہی، جس پر رسول اللہ ﷺ نے اس امت کو چھوڑا

تھا۔اوراس سے دین کے فہم کا جوسانچہ اور دینی مزاج کا جوڈھانچہ بن رہا ہے، وہ اس دینی فہم اور مزاج سے تو مختلف نہیں جو قیامت تک کے لیے مثالی اور میعاری رہے گا۔'' (۲۱)

اسلام دین فطرت ہونے کی بناء پر بنی نوع انسان کی جسمانی اور روحانی طمانیت کا سامان مہیا کرتا ہے اور زندگی گذارنے کے راہنما اصول مہیا کرتا ہے۔زرّیت آدمیت میں اضافہ کے لیے نکاح وخاندان کا تصور پیش کرتا ہے جبکہ مغربی معاشرہ مادر پدر آزادی کا قائل ہے۔مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اسلامی اور مغربی معاشرت کا موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اسلامی تمدن میں عبادات کا پورا نظام طہارت سے مربوط ہے اور مغربی تمدن زیادہ سے زیادہ نظافت کے مفہوم سے آشنا ہے۔اسلامی تمدن عفتِ نظر، عفتِ قلب اور عفتِ خیال کا قائل اور داعی ہے۔مغربی تمدن صرف قانونی اور زیادہ سے عرفی حدود کا احترام کرتا ہے۔اور اگر عرف، ماحول اور متعلق فریق کو اس پر اعتراض نہیں ہے تو اس کے نزدیک کوئی فعل غیر مستحسن اور غیر عفیفانہ نہیں۔اسلامی تمدن حجاب وتستُّر کا حامی ہے اور وہ شریعت کی دی ہوئی اجازتوں اور استثناؤں کے دائرہ کے اندر شدت سے اس کا پابند ہے۔مغربی تمدن حجاب اور تستُّر کے ابتدائی مفہوم سے بھی ناآشنا ہو چکا ہے۔اور اس نے اپنے آغاز سفر ہی میں اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔اسلامی تمدن مرد وزن کے آزادانہ اختلاط کا مخالف ہے اور اس کو معاشرہ کے لیے مضر اور بہت سی اخلاقی برائیوں کا موجب سمجھتا ہے۔مغربی تمدن اس کو زندگی کی بنیاد اور ایک بدیہی حقیقت سمجھتا ہے۔'' (۲۲)

مغرب میں جب بے راہ روی عروج پر تھی اُس وقت دنیا میں ایک عظیم انقلاب برپا ہوا۔انسانیت کی ہدایت وراہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول ﷺ کو دنیا میں مبعوث فرمایا۔مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، رسول اللہ ﷺ کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''چھٹی صدی مسیحی میں جب دنیا تیزی کے ساتھ ہلاکت کی غار کی طرف جارہی تھی اور روئے زمین پر کوئی طاقت نہ تھی جو گرتی ہوئی انسانیت کا ہاتھ پکڑ سکے۔محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت نے دنیا کو ایک ایسی جماعت کی قیادت عطا فرمائی جو آسمانی کتاب اور الٰہی شریعت وقانون رکھتی تھی، جس کا ہر قدم خدا کی بخشی ہوئی روشنی میں اٹھتا ہے اور اجالے میں پڑتا ہے جو دنیا میں حق وانصاف کی علمبردار تھی۔جو حکومت وقیادت کے منصب پر نبوت کی مستحکم اخلاقی تربیت اور دین کی مکمل تہذیب نفس کے بعد فائز ہوئی تھی۔جو کسی قوم کی خدمت گذار اور کسی نسل ووطن کی نمائندہ نہ تھی۔جس کو انسانیت کا معتدل ترین مزاج اور متوازن ترین طبیعت عطا ہوئی تھی۔اس جماعت کے وجود

نے نوع انسانی کی مجموعی ہلاکت کے راستہ میں فوری روک کا کام دیا اور بتدریج انسانیت کو صدیوں تک ان تمام فتنوں اور خطروں سے محفوظ کر دیا جو عالم پر محیط تھے۔'' (۲۳)

مغرب کی اس اخلاقی بے راہ روی کی بنیادی وجہ شاید یہ ہے کہ مغرب میں ان لوگوں کو اسلام کی تعلیمات درست انداز میں پہنچ نہیں پائیں ورنہ اسلام کی کرنیں ان تک بھرپور انداز میں پہنچ جاتیں تو مغرب میں اس قدر اخلاقی تاریکی نہ ہوتی۔ مولانا ندوی اس حقیقت کو محسوس کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اسلام سے یورپ کے بُعد کا انسانی سوسائٹی کی تاریخ اور تہذیب وترقی رفتار پر گہرا اور دوررس اثر پڑا۔ اگر یورپ یا اُس کی کسی بڑی قوم نے اسلام کو اختیار کیا ہوتا اور اس دعوت کی علمبردار ہوتی تو نہ صرف یورپ بلکہ پوری دنیا کا نقشہ ہی دسرا ہوتا، زندگی اس طرح بے معنی اور بے مقصد نہ ہوتی، دین واخلاق اس طرح بے دست وپا اور بے اثر نہ ہوتے۔ انسانی تہذیب کا رُخ تباہی وبربادی کی طرف نہ ہوتا جیسا آج ہے۔'' (۲۴)

رسول اللہ ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری سے عرب وعجم کے لوگوں کو جو عزت اور مقام ومرتبہ حاصل ہوا اس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی مگر مغرب کی چکاچوند کرنے والی روشنی کی وجہ سے عرب حقیقت سے ناآشنا ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنی نسبت کو فراموش کر چکے ہیں۔ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اس کی مثال ''بحر'' سے یوں پیش کرتے ہیں:

''عربوں کو جو دولت ونعمت، سعادت وتوفیق اور منصب ہدایت وراہنمائی ملا وہ سب نبی عربی اُمّی مکی مدنی خاتم النبین وسید المرسلین محمد رسول اللہ ﷺ کے طفیل میں تھا، اور آپ کے ذریعہ ہی ملا۔ اگر اس حقیقت سے قطع نظر کر لیا جائے اور اتباع واقتداء کا یہ رشتہ نہ رہے تو عرب قوم فن عروض کی اصطلاح ''بحر'' کی طرح ہو جائے گی کہ اس کو بحر کہتے ہیں لیکن اس میں پانی کا ایک قطرہ نہیں ہوتا۔'' (۲۵)

دین اسلام کے ساتھ ربط وتعلق قائم رکھنا اور رسول اللہ ﷺ سے محبت ہی ایمان کا جزو لاینفک ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت نے عربوں کو دنیا میں عزت وتوقیر عطا فرمائی۔ لہٰذا انہیں سنتِ نبوی کی پیروی کو اپنے لیے کامیابی کا زینہ سمجھنا چاہیے اور دیگر مذاہب اور فلسفوں سے حتی الوسع اجتناب برتنا چاہیے۔ ریاض یونیورسٹی کے ایک وسیع وعریض حال میں خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے مولانا ندویؒ نے رسول اللہ ﷺ کی بعثت کو اللہ تعالیٰ کی نعمتِ عظمہ قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''جزیرۃ العرب کی یہ سرزمین اور یہ تمدن وترقی اور اس سرزمین پر قائم ہونے والی حکومتیں

بعثت محمدی کا صدقہ اور اس کی دین ہے۔ اس سرزمین پر اسلام کو ابدی طور پر مالکانہ اور قائدانہ حقوق واختیارات حاصل ہیں۔ اور یہ اپنے پورے طول وعرض کے ساتھ اس کا حرم اور اس کا قلعہ ہے۔ اس لیے یہاں کسی کو باہر سے درآمد کیے ہوئے فلسفوں کی تبلیغ وترویج کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔'' (۲۶)

رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بہترین اسوہ حسنہ عطا فرمایا اور آپ ﷺ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے جبکہ سابقہ انبیاء کی سیرت غیر محفوظ ہے۔ مولانا ندوی رسول اللہ ﷺ کے اسوۃ حسنہ کی عظمت کا اعتراف یوں کرتے ہیں:

''نبوت کے ان کارناموں میں جو زندگی کی پیشانی پر درخشاں وتاباں ہیں سب سے روشن کارنامہ محمد رسول اللہ ﷺ کا کارنامہ ہے، جس کی سب سے زیادہ تفصیلات تاریخ میں محفوظ ہیں۔ مردم سازی وآدم گری کے اس کام میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جو کامیابی عطا فرمائی وہ آج تک کسی انسان کو حاصل نہیں ہوئی۔'' (۲۷)

مولانا ندوی عرب ممالک کے لوگوں میں بہت مقبولیت رکھتے تھے۔ آپ کے خیالات سے مستفید ہونے کے لیے عرب قائدین اور زعماء کی طرف سے انہیں مختلف مقامات پر مدعو کیا جاتا۔ موقع غنیمت جانتے ہوئے مولانا ابوالحسن علی ندوی لوگوں کو دین اسلام کے ساتھ پختہ وابستگی اور اسلاف کی پیروی کی تلقین فرماتے، جنہوں نے اسلام کی سربلندی کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر رکھی تھیں۔ اور تائید الٰہی سے دنیا میں انقلاب برپا کر دیا۔ مختلف شہروں میں اپنی مصروفیات کا تذکرہ کرتے ہوئے شام کے شہر حلب میں ایک تقریب کا احوال بیان کرتے ہیں:

''حلب کے بھی بھرے ہوئے جلسہ میں میری پُر جوش تقریر ہوئی جس میں عہد ماضی میں دنیا میں عربوں کے غلبہ کا راز بیان کیا اور قرون اولیٰ کے ان داعیان اور فاتحین کا امتیاز بتایا، جو جزیرۃ العرب سے اسلام کی اشاعت اور دنیا کو انسانوں کی غلامی، مذاہب کے ظلم وجور اور مادی زندگی کی کال کوٹھری سے دینِ صحیح، توحیدِ خالص اور روح و قلب کے وسیع آفاق کی طرف منتقل کرنے کے لیے نکلے تھے۔'' (۲۸)

عرب کے ان اعرابی نوجوانوں کو جو صحرا نشینی کی زندگی بسر کرتے تھے اور جو شان ومرتبہ رسالت مآب ﷺ کی اتباع میں حاصل ہوا۔ اس سے ان کی زندگی میں ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ دنیا کی کھوکھلی زندگی انہیں متاثر نہ کرسکی۔ مولانا ندوی ان کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''عرب کے یہ فاقہ مست دریدہ پیرہن، گلیم پوش اعرابی جو کبھی اپنے صحرا اور بادیہ سے باہر نہیں نکلے تھے

اور جنہوں نے شان وشوکت کا کوئی مظاہرہ نہیں دیکھا تھا، شاہانِ عجم سے اس طرح آنکھوں سے آنکھیں ملا کر بے تکلف باتیں کرتے تھے اور ان کے درباری کرّ وفر کو اس طرح بے پرواہی اور تحقیر کی نظر سے دیکھتے تھے گویا مٹی کی مورتیں اور کاغذ کے کھلونے ہیں جن کو جھنڈیوں سے آراستہ کر دیا گیا ہے۔ وہ ایسے حقیقت شناس ہو گئے تھے کہ شان وشوکت کے کھوکھلے مظاہر ان کو ذرا متاثر نہ کرتے۔ اور نہ کہیں وہ اپنے اصول اور اعلیٰ اخلاقی معیار سے ذرا بھی انحراف کرتے۔ وہ خدا کے بندوں کو دوبارہ خدا کی بندگی میں داخل کرنے اور انسانوں کی خدائی کا طلسم توڑنے پر مامور ومبعوث سمجھتے۔''(۲۹)

مولانا ابوالحسن علی ندوی نے امت مسلمہ کو عموماً اور عرب دنیا کو خصوصاً جس طرح مغربی تہذیب کے مضر اثرات سے بچنے کی تلقین کی اور مسلمانوں کو اپنے دینِ اسلام کے ساتھ وابستگی کا درس دیا۔ ان کی اصلاح وتربیت کا جو فریضہ سرانجام دیا وہ لائق صد تحسین ہے۔ عرب ممالک میں ان کے افکار ونظریات کو خوب پذیرائی حاصل ہوئی اور آپ کی تعلیمات سے آگاہی کے لیے آپ کو اکثر عرب ممالک میں معزز مہمان کی حیثیت سے مدعو کیا جاتا۔ مولانا ندوی اپنی تحریر وتقریر میں علامہ اقبال کے اشعار کو بھی پیش کرتے جس سے پیغام کی اثر پذیری میں مزید اضافہ ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مساعیٔ جمیلہ کو قبول فرمائے اور انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

مصادر ومراجع

۱۔ ندوی، ابوالحسن علی، مولانا، کاروان زندگی، مجلس نشریات اسلام، کراچی، س ن، حصہ اول، ص ۳۵۸

۲۔ ندوی، ابوالحسن، کاروانِ زندگی، ایضاً، ص ۳۵۹

۳۔ ندوی، ابوالحسن علی، مولانا، دستور حیات، مجلس نشریات اسلام، کراچی، س ن، ص ۲۱۰

۴۔ ندوی، ابوالحسن علی، مولانا، کاروان زندگی، حصہ دوم، ص ۳۸

۵۔ ندوی، ابوالحسن علی، مولانا، کاروان زندگی، حصہ ہفتم، ص ۶۶

۶۔ ندوی، ابوالحسن علی، مولانا، کاروان زندگی، حصہ پنجم، ص ۲۰۷۔۲۰۸

۷۔ ندوی، ابوالحسن علی، مولانا، کاروان زندگی، حصہ پنجم، ص ۲۰۸۔۲۰۹

۸۔ ندوی، ابوالحسن علی، مولانا، کاروان زندگی، حصہ اول، ص ۳۸۹

۹۔ ندوی، ابوالحسن علی، مولانا، انسانی زندگی پر مسلمانوں کے عروج زوال کا اثر، مجلس نشریات اسلام، کراچی، س ن، ص ۳۴۳

۱۰۔ ندوی، ابوالحسن علی، مولانا، انسانی زندگی پر مسلمانوں کے عروج زوال کا اثر، ص ۳۲۱

۱۱۔ ندوی، ابوالحسن علی، مولانا، دستور حیات، ص ۲۱۱

۱۲۔ ندوی، ابوالحسن علی، مولانا، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کش مکش، مجلس نشریات اسلام، کراچی، س ن، ص ۱۱۶

۱۳۔ ندوی، ابوالحسن علی، مولانا، کاروان مدینہ، مجلس نشریات اسلام، کراچی، س ن، ص ۱۱۳

۱۴۔ ندوی، ابوالحسن علی، مولانا، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کش مکش، ص ۲۱۔۲۲

۱۵۔ امام، مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ج ۱، ص ۱۹۹۹، حدیث نمبر ۲۶۸۶

۱۶۔ ندوی، ابوالحسن علی، کاروان مدینہ، ص ۱۵۴

۱۷۔ اقبال، علامہ محمد، ڈاکٹر، کلیات اقبال اردو، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۰۷ء، ص ۳۷۳

۱۸۔ اقبال، کلیاتِ اقبال، ص ۲۷۷

۱۹۔ التوبہ: ۳۳

۲۰۔ ندوی، ابوالحسن علی، طوفان سے ساحل تک، مجلس نشریات اسلام، کراچی، س ن، ص ۳۳

۲۱۔ ندوی، ابوالحسن علی، عصر حاضر میں دین کی تفہیم، مجلس نشریات اسلام، کراچی، س ن، ص ۱۵۔۱۶

۲۲۔ ندوی، ابوالحسن علی، دستور حیات، ص ۲۰۹

۲۳۔ ندوی، ابوالحسن علی، انسانی زندگی پر مسلمانوں کے عروج زوال کا اثر، ص ۳۱۴

۲۴۔ ندوی، ابوالحسن علی، مغرب سے صاف صاف باتیں، مجلس نشریات اسلام، کراچی، س ن، ص ۴۵

۲۵۔ ندوی، ابوالحسن علی، کاروان زندگی، حصہ ہفتم، ص ۲۲۲

۲۶۔ ندوی، ابوالحسن علی، کاروان زندگی، حصہ دوم، ص ۴۰

۲۷۔ ندوی، ابوالحسن علی، کاروان مدینہ، ص ۵۶

۲۸۔ ندوی، ابوالحسن علی، کاروان زندگی، حصہ اول، ص ۳۹۰۔۳۹۱

۲۹۔ ندوی، ابوالحسن علی، کاروان مدینہ، ص ۱۲۷